تلخیص وتبصرہ

مولانا سندھی کے ساتھی ظفر حسن صاحب کی آپ بیتی کا دوسرا حصّہ

(۲)

ایک اور مثال ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں :-

"ایک روز ہمیں یونیورسٹی میں پڑھایا گیا کہ ذاتی ملکیت کو جو مذہب بھی جائز سمجھے، وہ قدامت پسند ہے کیونکہ وہ غریبوں کو مالداروں کا غلام بناتا ہے اور اس کو استثمار یعنی EXPLIOTATION کراتا ہے۔ اس لئے ایسے مذہب کا قلع قمع ہونا چاہیئے۔

ایک ہندو طالب علم بینرجی بھی ظفر حسن صاحب کا ہم جماعت تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہندومت میں تو ذاتی ملکیت کھلم کھلا موجود ہے، اس سے وہ ہندو کھسیانا سا ہو گیا۔ لیکن اُس نے مجھ سے پوچھا۔ کیا اسلام ذاتی ملکیت کی اجازت دیتا ہے میں نے کہا۔ ہاں۔ اس پر بینرجی بڑے اطمینان سے بولا۔ پھر تو ہم کو ہندوستان سے ہندوازم کے ساتھ اسلام کو بھی مٹانا ہوگا۔

ظفر حسن صاحب کے دل میں اس سے اسلام کے بارے شبہ پیدا ہوا، اور شام کو جب وہ مولانا کے پاس آئے تو اس کے متعلق دریافت کیا۔ مولانا کا جواب حسب ذیل تھا:-

"قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَمْوَالَھُمْ وَاَنْفُسَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔ یعنی اللہ نے مؤمنوں کے مال کو اور ان کی جانوں کو اُن سے جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔ اس سے یہ معنیٰ نکلتے ہیں کہ ضرورت کے وقت مسلمانوں کو اپنی جانوں اور ذاتی مال سے دست بردار ہونا پڑ سکتا ہے۔ اور اُن کو خداوندِ کریم آخرت میں اس کے عوض جنّت دے گا۔ یعنی اسلام میں ذاتی ملکیت کا اصول ضرورت کے وقت اٹھایا جا سکتا ہے۔ . . . ."

ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں۔ قبلہ مولانا صاحب کی اس تفسیر سے مجھے بہت اطمینان ہوا۔ اور میرا اسلام پر ایمان اور بھی زیادہ مضبوط ہوگیا۔

یہ سوال کہ تمام مذاہب میں زمین کا کسانوں کی ذاتی ملکیت ہونا لازمی ہے ایک روز زیر بحث آیا اور اس کی بنا پر ظفر حسن صاحب کے پروفیسر نے کہا کہ تمام مذاہب رجعت پسند ہیں، لہٰذا صفحۂ ہستی سے مٹائے جانے کے لائق ہیں۔ شام کو جب مصنّف مولانا کے پاس گئے تو ان سے یہی سوال پوچھا۔ مولانا نے فرمایا کہ اسلام میں ایسا نہیں۔ اور اس کے ثبوت میں حضرت عمرؓ کا وہ فیصلہ بیان کیا جس میں آپ نے ایران کی مفتوحہ زمینوں کو عرب فاتحین کی ذاتی ملکیت قرار دینے کے بجائے بیت المال کی ملکیت قرار دیا تھا۔ اس پر مصنّف لکھتے ہیں:۔

> "میں نے اگلے روز یونیورسٹی میں حضرت عمرؓ کے اس فیصلے کا اور اس اسلامی قانون کا ذکر اپنے پروفیسر سے کیا۔ اس پر وہ بہت اچنبھے میں پڑا اور کہنے لگا۔ اگر کوئی شخص ہم کو اسلام کے یہ احکام پہلے بتاتا تو ہمارا کام بہت آسان ہو جاتا اور ہم کسانوں کو اپنی انقلابی صفوں میں بڑی آسانی سے داخل کر لیتے اور ہماری حکومت ان کی مخالفت سے بچی رہتی۔"

ماسکو میں مولانا کی روسی وزیر خارجہ چچرن سے تین چار ملاقاتیں ہوئیں۔ ان میں ظفر حسن صاحب بھی بطور ترجمان ساتھ تھے۔ مولانا نے وزیر مذکور کے سامنے یہ تجویز پیش

کی کہ روس انڈین نیشنل کانگریس کو مالی مدد دے تاکہ وہ انگریزوں کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھ سکے۔ نیز افغانستان کو بھی اس معاہدے میں شریک کیا جائے۔ ان تجویزوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے روسیوں کی اجازت سے مولانا ترکی آگئے۔ اور کوئی چار سال بعد ترکی سے حجاز تشریف لے گئے تاکہ حج پر آنے والے دوستوں کے ذریعہ وہ ہندوستان اور افغانستان سے تعلقات قائم کرسکیں۔

ظفر حسن صاحب اس وقت تو روس میں رہ گئے، لیکن کچھ عرصہ بعد وہ بھی ترکی پہنچے۔ اور مولانا کے ساتھ رہنے لگے۔ وہاں سے مولانا اور اُن کی طرف سے "ہندوستان کی آزادی اور آزاد ہندوستان کی حکومت کے لئے" ایک پروگرام مرتب کرکے شائع کیا گیا۔ اس پروگرام کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں :-

مجوزہ سرو راجیہ (سب کاراج) پارٹی ہندوستان کو ایک مُلک تصوّر نہیں کرے گی۔ ہندوستان کے تین حصّے ہوں گے۔ اس کا نظام حکومت وفاقی ہوگا۔ فوائد عامہ کے تمام ذرائع قومی ملکیت میں دے دیئے جائیں گے۔ انفرادی اور ذاتی ملکیت محدود کردی جائیں گی، ملک کی زمینیں قومی ملکیت قرار ہوں گی اور نظام زمینداری منسوخ کردیا جائے گا (ان جمہوریتوں میں، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی، پارٹی فاروقِ اعظم کے فیصلے کے مطابق زمینداروں کو زمین کی ملکیت چھوڑنے پر اور امام ابوحنیفہ کے فیصلے کے مطابق مزارعت چھوڑنے پر مجبور کرے گی)۔ ہر ایک جمہوریت اپنی اکثریت کے مذہب کو اپنا سٹیٹ مذہب قرار دے سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ مذہب پارٹی کے اقتصادی اور اجتماعی اصولوں کا مخالف نہ ہو۔ مرکزی حکومت ہند کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

مصنف اس پروگرام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"۱۹۲۴ء میں جب یہ پروگرام مرتب کیا گیا تھا، ہندوستان کی فضا اور ہندو مسلم تعلقات اتنے خراب نہ تھے جیسے کہ ۱۹۳۰ء میں اور بعد میں نئی اصلاحات ملنے پر ۱۹۳۷ء میں ہوگئے تھے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو

ہندوؤں سے بالکل جدا ہونے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود قبلہ مولانا صاحب نے دور اندیشی سے ۱۹۲۱ء ہی میں ہندوستان کے لئے ایک ایسا وفاقی نظام تجویز کیا تھا، جس میں مسلمانوں کی اکثریت رکھنے والی جمہوریتوں کو باہم مل کر اور ایک وفاقی نظام میں منسلک ہوکر ہندوستان کی مرکزی حکومت میں شامل ہونے کا موقع ملتا اور اس طرح وہ اپنی ہستی اور اپنی تہذیب قائم رکھ سکتیں۔"

ظفر حسن صاحب جب ماسکو میں تھے، تو وہاں چھ ماہ تک بمبئی کے مشہور قوم پرست اخبار بمبئی کرانیکل کی نامہ نگاری کرتے رہے۔ ترکی آکر انہوں نے کلکتہ کے انگریزی ہفتہ وار اخبار "مسلمان" میں لکھنا شروع کیا۔ جس کا سلسلہ دو سال تک چلتا رہا۔ اس کے علاوہ انہوں نے اردو کی بعض مشہور اسلامی کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا، اور انگریزی سے ایک ترک اہل قلم نے انہیں ترکی میں منتقل کیا۔ ان میں چند ایک مشہور کتابیں یہ ہیں۔ الفاروق، سیرت النبی کے تین حصے۔

مصنف نے ماسکو میں لینن کی وفات کے بعد ستالن اور ٹراٹسکی کی پارٹیوں کی باہمی کشمکش کا آغاز دیکھا۔ اور ترکی میں اُن کے سامنے مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک اور اُن کے مخالفوں کی کشمکش شروع ہوئی۔ مصطفیٰ کمال کی حکمراں پارٹی "جمہوریت خلق پارٹی" تھی اور اس کے مقابلے میں "جمہوریت ترقی پرور پارٹی" تھی جس کے لیڈر رؤف بے اور جنرل کاظم قرہ بکر پاشا تھے۔ یہ پارٹی اتاترک کی اصلاحات کے خلاف تھی۔

اس زمانے میں استانبول میں پشاور کے ایک ممتاز خاندان کے نوجوان عبدالرحمٰن تھے جو ۱۹۱۳ء میں ڈاکٹر انصاری کے بلقان طبی وفد کے ساتھ علی گڑھ سے جہاں وہ تعلیم پاتے تھے، ترکی آئے اور بعد میں یہیں بس گئے۔ انہیں رؤف بے کی والدہ نے اپنا بیٹا بنایا تھا، استانبول میں مولانا اور ظفر حسن صاحب کا عبدالرحمٰن صاحب سے برابر ملنا رہا۔ اور ان کے ذریعہ یہ دونوں بزرگ رؤف بے اور کاظم قرہ بکر پاشا سے بھی ملے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:۔ "قبلہ مولانا صاحب ترکی سے خلافت اسلامیہ کے مٹ جانے

کے بعد اس کوشش میں تھے کہ کم از کم ترکی میں ایک بین المسلمین یونیورسٹی کی بنیاد ڈالنے کے لئے موجودہ ترکی جمہوری حکومت ان کو اجازت دے دے تاکہ وہ اس طرح پر اسلامی شیرازے کو ایک حد تک پھر قائم کر دیں۔ اس لئے انہوں نے رؤف بے سے ملنا چاہا اور عبدالرحمٰن پشاوری صاحب سے اس ملاقات کا انتظام کرنے کو کہا۔ قبلہ مولانا صاحب کے ساتھ اس ملاقات میں ترجمانی کے لئے میں اُن کے ساتھ رؤف بے مرحوم کے گھر گیا۔ رؤف بے مرحوم بہت شستہ انگریزی بولتے تھے۔ اس ملاقات کے دوران جنرل کاظم قرہ بکر پاشا مرحوم بھی موجود تھے۔"

مولانا نے جب اپنی اس تجویز کا ذکر رؤف بے سے کیا تو اُن کا جواب یہ تھا۔

"اگر ایسی تجویز انہوں نے اپنی پارٹی میں داخل کی تو "جمہوریت خلق پارٹی" جو اُن کی پارٹی پر پہلے ہی قدامت پسندی کا الزام لگا رہی ہے، ان پر اتحاد اسلام اور پرانی روایتوں کو پھر زندہ کرنے کی تہمت لگائے گی۔ اور اس طرح ان کی پارٹی کو ترکی تعلیم یافتہ طلبہ کی نگاہ سے گرا دے گی۔"

مصنف لکھتے ہیں کہ "مولانا کو رؤف بے کے اس جواب سے اتنی مایوسی ہوئی کہ میں نے عمر بھر کبھی ان کو اتنا نا امید نہ دیکھا تھا۔ ان کی مسلمانوں کو پھر ایک سلسلے میں منسلک کرنے کی امیدوں پر پانی پھر گیا تھا، اس لئے ان کی بے چینی کی انتہا نہ رہی تھی۔"

۱۹۲۶ء میں شاہ ابن سعود مرحوم نے شریف حسین کو سرزمین حجاز سے نکالنے کے بعد مکہ مکرمہ میں موتمر اسلامی بلائی تھی، جس میں برصغیر کے بہت سے رہنماؤں کو مدعو کیا گیا تھا۔ یہ خبر جب مولانا کو ملی تو انہوں نے سوچا کہ اگر کسی طرح اس سال حج کے موقع پر حجاز پہنچ جائیں تو حج کے لئے آنے والے لوگوں سے مل کر اُن کے ذریعہ اپنے ہندوستانی دوستوں اور لیڈروں کو اپنے پروگرام کے متعلق بھیج سکیں گے۔"

اس وقت ترکی سے حجاز جانے والے سمندری راستے انگریزوں کے زیر اثر تھے، ڈر تھا کہ مولانا کو کہیں وہ گرفتار نہ کر لیں۔ چنانچہ مولانا ترکی سے اٹلی گئے۔ وہاں سے اٹلی

کے جہاز میں بیٹھ کر سومالی لینڈ پہنچے۔ اور وہاں سے جدہ پہنچے۔ اس میں اتنی دیر ہو گئی کہ وہ مؤتمر اسلامی کے شرکاء سے نہ مل سکے۔ ایک سال بعد ظفر حسن صاحب کی والدہ صاحبہ نے انہیں باصرار حجاز بلایا تاکہ وہ اُن سے دوران حج مل سکیں، تو وہ بھی بڑی مشکل سے حجاز پہنچ پائے تھے، کیونکہ راستے میں نہر سویز پڑتی تھی جو انگریزوں کے تسلط میں تھی۔

ظفر حسن صاحب نے سفرِ حجاز کے مصارف کی فراہمی کے سلسلے میں سردار محمد نادر خاں کو لکھا جو پیرس کی افغانی سفارت سے استعفا دے کر فرانس میں جلاوطنی کے دن گزار رہے تھے۔ مصنف کی ان سے اردو میں خط وکتابت ہوتی رہی تھی۔ جنرل محمد نادر خاں کا مصنف کے نام ایک خط ملاحظہ ہو، جو اردو میں ہے۔

۳۰ مارچ ۱۹۲۵ء۔ پیارے بھائی ظفر۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے پاک ارادوں میں ظفر نصیب کرے۔ آپ کا خط مورخہ ۲۳ مارچ موصول ہوا جس کے مطالعے سے نہایت ممنون اور مسرور ہوں۔ خدائے کریم نے مجھ پر رحم فرماکر عمر دوبارہ نصیب کی ورنہ میں کہاں اور آپ کو مکتوب لکھنا کہاں۔ مگر جب تک قضا مقرر نہیں ہوئی، ساری آفات اور بلیّات سے نجات (؟) اور جب قضا آئی تو کوئی اس کا علاج اور چارہ نہیں۔ ملاحظہ کیجئے تین اراکین سلطنت یورپ اور ایک مہاجر ہندوستانی ارجمند محمد افضل کو ایک جیسی بیماری میں مبتلا ہو کر آپریشن کرانا پڑا۔ . . . . صدر اعظم جرمنی، لارڈ کرزن، لارڈ رابنسن سپہ سالار افواجِ ہند تینوں زیرِ خاک ہیں۔ اور ہمارے صادق بھائی افضل (مانتون) میں بحیرۂ روم کے کنارے ہر صبح وشام ہوا خوری کے مزے اڑا رہے ہیں۔ اور اکثر یہ میرے پاس آکر مجھ کو اپنی صحبت سے مسرور کرتے ہیں . . . . . الحمد للہ اب میری صحت بہت کچھ اچھی ہو گئی ہے۔ اور مرض قریباً ۲۵ دن سے رفع دفع ہو گیا ہے۔ خدا اس منحوس کا منہ پھر نہ دکھائے . . . . . آپ کا نہایت خوش نما فوٹو پہنچا۔ جسے دیکھ کر مجھ کو پیارا ظفر ٹھل کے میدان میں مع بندوق کے جو کاندھے میں ہمیشہ حائل رہتی تھی، نظر آتے ہیں۔ اور ان صحبتوں کو

جو آپ کے ساتھ گزاری ہیں، یاد کرکے ہمیشہ دعائے خیر آپ کے لئے کیا کرتا ہوں۔ مجھ کو اپنا سچا دوست سمجھیں۔ اگرچہ مجھ سے آپ کی اُن خدمات کا جو آپ نے افغانستان کے لئے کیں اور میری معاونت میں مصروف رہے۔ اس کے صلہ اور معاوضہ میں شرمندہ ہوں مجھ سے کچھ نہ ہو سکا۔ مگر خداوند کریم سے اس کے معاوضے کے لئے درخواست ہے۔ انشاء اللہ امید ہے خدا ملاقات نصیب کرے (یار زندہ صحبت باقی)۔

اپنا فوٹوگراف عنقریب آپ کے لئے روانہ کروں گا، کیونکہ یہاں کوئی اچھی فوٹو نہ تھی ورنہ اسی ڈاک میں روانہ کرتا۔ جناب مولانا صاحب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

فقط آپ کا دوست محمد نادر

ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں کہ سردار سپہ سالار صاحب مرحوم نے مجھے فوراً سفر خرچ بھیج دیا۔ اور اپنی جلاوطنی کی حالت میں بھی انہوں نے میری مدد کی۔

۱۹۲۷ء تک مصنف افغانی پاسپورٹ پر ترکی میں مقیم تھے اُنہوں نے جب اس کی تجدید کرانی چاہی تو افغانی سفیر مقیم انقرہ نے انہیں بتایا کہ افغانی وزارت خارجہ نے اُن کو افغانی پاسپورٹ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ شاید اس کی وجہ بقولِ مصنف اُن کی برطانیہ دشمن سرگرمیاں تھیں۔ ظفر حسن صاحب نے اس موقع پر ترکی رعایا ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس بارے میں ترکی حکومت نے اُن کے ساتھ غیر معمولی رعایت کی اور پانچ سالہ مدت قیام کی شرط نرم کرکے صرف ساڑھے تین سال ترکی میں رہنے کے بعد انہیں شہریت کے حقوق دے دیئے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں :-

> یہ رعایت میرے لئے ایک نعمت تھی۔ ترکی حکومت اور ترکی قوم نے ایک سخت نازک وقت میں مجھے اپنی آغوشِ شفقت میں جگہ دے کر مجھ پر ایسا احسان کیا کہ میں جب تک زندہ ہوں اس کو نہیں بھول سکتا۔ کیونکہ اس وقت دنیا بہ ہمہ وسعت خود میرے لئے اتنی تنگ ہو گئی تھی کہ میں کہیں بھی آجا نہیں سکتا تھا اور کوئی ملک بھی مجھے انگریزوں کے پنجے سے اور اُن کی دست بُرد سے بچانے کا ذمہ نہ لینا چاہتا تھا۔ ترکی حکومت نے

مجھے اپنی رعایا بنا کر اس کا موقع دے دیا کہ میں اس کے ملک میں اطمینان سے رہوں۔

یہاں آپ بیتی حصہ دوم ختم ہوتی ہے۔ تیسرا حصہ جس میں ترکی اور ترک قوم کے حالات ہوں گے، مصنف مرتب فرما رہے ہیں، خدا کرے یہ جلد مکمل ہو، اور اس طرح اس تاریخی دور کے واقعات جو اب تک پردۂ خفا میں تھے، دنیا کے سامنے آئیں اور آج آزادی کی نعمتوں سے متمتع ہونے والے جانیں کہ اس آزادی کی صبح کو نزدیک کرنے میں کتنوں کی پوری زندگیاں مسلسل اندھیری راتوں میں گزری ہیں۔

مارچ ۶۵ء کے "الرحیم" میں آپ بیتی حصہ اول کے تبصرے کے آخر میں اس نہایت اہم اور ساتھ ہی ساتھ بے حد دلچسپ کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ محترم ظفر حسن ایبک کی آپ بیتی ایک ایسا تاریخی وثیقہ ہے جسے برصغیر کی اسلامی تاریخ کے ہر طالب علم اور سیاسیات سے علمی و عملی دلچسپی رکھنے والے ہر چھوٹے کارکن اور ہر بڑے لیڈر کو پڑھنا چاہیئے۔ یہ محض گزرے ہوئے واقعات کا مجموعہ نہیں، بلکہ اس میں عبرتیں اور سبق ہیں جو ہمارے لئے آئندہ کے لئے مشعل کا کام دے سکتے ہیں۔

ظفر حسن صاحب نے آپ بیتی لکھ کر مسلمانانِ برصغیر کی بہت بڑی خدمت کی ہے اور ملی تاریخ کا وہ باب جو زینتِ طاقِ نسیاں بن گیا تھا، اسے انہوں نے دوبارہ ہمارے لئے تازہ کر دیا ہے، ہمیں امید ہے کہ کوئی مسلمان پڑھا لکھا گھرانا اس کتاب سے خالی نہ رہے گا۔

یہاں ہم یہی الفاظ آپ بیتی کے حصہ دوم کی اشاعت پر دُہراتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ظفر حسن صاحب کو طویل عمر عطا ہو تا کہ وہ حضرت مولانا سندھی اور اپنی جدوجہد کے بارے میں اور لکھ سکیں۔

محمد سرور